عرب دنیا کا پہلا جنگ مخالف شاعر

ڈاکٹر جواز جعفری☆

Abstract

Arabs were divided into two main branches since pre-Islamic period. Kehtani Arabs inhabitated Yemen and were living civilized life, whereas Adnani Arabs were nomads and had been living in the suburbs of Mekka for centuries. These two had been fighting with each other. War was the only way of life for them. Wars started over minor incidents and continued for decades and was the only manifesto of life for these Arabs. Under these conditions, the war-sick people of Arab heard a voice against the war with a sense of surprise and reverence. This voice against war was of the great poet of the period, Zuhair bin Abi Sulma.

خطۂ عرب ہمیشہ سے جنگوں کی سرزمین رہا ہے۔ اِن جنگوں کے باعث ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ بیشتر جنگوں کا سبب محض فرد کی انانیت اور احساس تفاخر تھا۔ مسلسل جنگ نے سرفروشی کو ایک قدر کا درجہ عطا کر دیا تھا۔ جنگ قدیم عربوں کے لئے ایک طرح کی تفریح بھی تھی اور ضرورت بھی۔ مالِ غنیمت کو نئے مالی وسائل کے حصول کا ذریعہ کہا جا سکتا ہے۔ پانی اور خوراک کی تلاش میں بھٹکتے قبیلے ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے اور اِس قسم کی غارت گری عموماً علی الصبح کی جاتی تھی۔ اِسی لئے عربی میں ایک محاورہ ہے کہ "خدا تجھے صبح کی لوٹ مار سے بچائے"۔ عرب کے لق و دق صحرا میں قانون نام کی کوئی چیز نہ تھی اور قانون کے اس فقدان کا باعث بھی بنیادی طور پر جنگ ہی تھی۔ جنگ ہی اُن کی

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، ایم۔ اے۔ او کالج، لاہور

زندگیوں کا لائحہ عمل تھی ۔ وہ ایک دوسرے پر حملے کرتے' پیچھے ہٹتے غارت ڈالتے اور جنگیں کرتے رہتے تھے ۔ وہ عزت کی خاطر لڑتے اور نہ لڑنا اُن کے لئے ذلّت کا باعث ہوتا ۔ ذلّت کے بعد زندہ رہنا اُن کے لئے دُشوار ہو جاتا تھا ۔ گویا اُنہوں نے عزت اور وقار کی خاطر اپنی قیمتی جانوں کو انتہائی سستا کر رکھا تھا ۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر شخص شہسوار تھا اور اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا تھا ۔

قدیم عربوں کی جنگجویانہ فطرت اُن کے خشک موسموں' غیر زرخیز زمینوں اور غیر یقینی صورتِ حال کا براہِ راست نتیجہ تھی ۔ ہزاروں میل پر پھیلے بے آب و گیاہ صحرا میں پانی اور سبزہ ہی زندگی کی ضمانت فراہم کرسکتا تھا ۔ اِسی لئے بیشتر جنگوں کا باعث پانی کے چشمے اور چراگاہیں ہی تھیں ۔ اگرچہ قدیم عربوں کے پاس رُبا' سماوہ اور تہامہ وغیرہ میں پانی کے مشہور چشمے تھے مگر باقی صحرا خشک اور پیاسا تھا ۔ یمن' طائف اور مدینہ میں اِن کی مشہور چراگاہیں تھیں ۔ البتہ حجاز کی وادی خشک اور ناہموار زمین پر مشتمل تھی اور یہ خشکی اور ناہمواری مکہ اور اس کے آس پاس کے علاقے میں اور بھی نمایاں ہو جاتی تھی ۔ (۱) زراعت کے لئے زمین کی ناموزونی کے باعث عرب خانہ بدوشی کی حالت میں رہتے تھے ۔ وہ مویشی پالتے' اُن کے دودھ اور گوشت پر گزارہ کرتے اور اُنہی کی کھالوں سے لباس اور خیمے بناتے تھے ۔ البتہ صحرائی عربوں کی دوسری بڑی شاخ (عاربہ) جو یمن میں آباد تھی اور وہ لوگ نسلی طور پر مکہ اور گردونواح میں آباد عدنانی عربوں (مستعربہ) کے چچیرے بھائی تھے ۔ اُنہوں نے کھیتی باڑی کے لئے ایک ڈیم بھی بنالیا تھا ۔ شہر اور محلے بنا کر رہتے تھے اور صنعت و حرفت کے ماہر تھے ۔ ہندوستان' مصر' روم' غزہ' عراق' شام اور حبشہ سے اُن کے تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے ۔ یمنی عربوں کا نسب یعرب بن قحطان سے ملتا ہے ۔ اُنہی میں حمیر کے گھرانے ہیں جن میں زید الجمہور' قضاعہ اور سکاسک قابل ذکر ہیں ۔ دیگر قحطانی قبائل میں لخم کی اولاد میں منذر اور حیرہ اور ازد سے اوس اور خزرج کے سلسلے چلے ۔ اُنہی میں سے بنی غسان نے شام کا رُخ کیا اور وہاں رومیوں کے زیر اثر اپنی حکومت قائم کی جبکہ بنی حمیر کے پاس یمن کی بادشاہت تھی ۔

دوسری طرف عدنانی عرب (مستعربہ) تھے جن کا تعلق اولادِ حضرت اسماعیلؑ سے ہے ۔

اُنیسویں صدی قبل مسیح میں یہ لوگ حجاز میں آباد ہوئے اور شاہان جرہم سے دامادی کا رشتہ قائم کیا۔ عدنانی عربوں میں ربیعہ، مُضر، قیس بن عیلان اور یاس بن مُضر کے قبیلے پیدا ہوئے اور آگے چل کر قیس کے خاندان سے عرب کے دو مشہور قبائل بنی ہوازن اور بنی غطفان نے جنم لیا۔ یہیں سے عبس و ذبیان کی نسلیں چلیں۔ بنی تمیم اور مُر وجود میں آئے اور ہذیل بن مُدرکہ کی نسل سے اسد بن خزیمہ اور کنانہ بن خزیمہ پیدا ہوئے اور پھر کنانہ کی نسل سے مکہ کے قریش نے جنم لیا۔ ربیعہ و مُضر دو ایسے قبائل تھے جو اسلام کی آمد سے دو سو سال قبل بھی نہایت طاقتور متصور ہوتے تھے۔

ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے باوجود عربوں کی دونوں شاخوں میں رہن سہن کی سطح پر واضح فرق موجود تھا۔ عدنانی اگر خانہ بدوش تھے تو قحطانی متمدن زندگی بسر کر رہے تھے اور یمن آٹھویں صدی قبل مسیح سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا (۲) نہ صرف دونوں کے عقائد میں فرق تھا بلکہ اُن کے معبود تک مختلف تھے اور دونوں شاخوں میں صدیوں سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ عقائد کے اعتبار سے بھی وہ کئی گروہوں میں منقسم تھے۔ کچھ لوگ عیسائی تھے تو کچھ یہودی، بعض صائبیت کے ماننے والے تھے تو بعض دین حنیف پر کاربند تھے۔ البتہ ان میں ایک جماعت عقل پرستوں کی بھی تھی اور یہی عقل پرستی بعد ازاں تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اسلام میں بھی ظاہر ہوئی۔ ان عقل پرستوں کے بڑے بڑے مراکز کوفہ، بصرہ اور یمن تھے۔ (۳) اس جماعت کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ "اخوان الصفاء" کی صورت میں سامنے آیا۔ یہی وہ انسائیکلوپیڈیا ہے جو نہ صرف صدیوں تک یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں شامل تدریس رہا بلکہ یورپ کی علمی و سائنسی زندگی کے تمام تر چراغ بھی اسی سے روشن ہوئے۔ (۴)

عدنانی عربوں کی نہ صرف قحطانی شاخ سے دیرینہ دشمنی تھی بلکہ یہ شاخ صدیوں تک آپس میں بھی گتھم گتھا رہی۔ اُن کی مختلف اقسام کی آگ صدیوں تک روشن رہی۔ عرب جنگ کی تیاری کے لئے کسی اونچے ٹیلے یا پھر پہاڑ پر (نارلاھبہ) جنگ کی آگ جلا دیتے تھے۔ اپنے حلیف قبیلے کو جنگ کی اطلاع دینے کے لئے بھی آگ جلائی جاتی۔ (۵) جب کوئی شدید زخمی ہوتا تو اُس کے لئے بھی آگ جلائی جاتی۔ ایک آگ (نارالسلیم) تھی جو مارگزیدہ کے لیے جلائی جاتی، ایک آگ کوڑے مارے

جانے کے بعد جلائی جاتی ' ایک آگ پاگل کتے کے کاٹنے پر جلائی جاتی تھی ۔ اِسی طرح نارالسعالی پردیس جانے والوں کے لیے اور نارالسلامہ سفر سے سلامت لوٹ کر آنے والوں کے لیے جلائی جاتی۔شیر کے ڈر سے جلائی جانے والی آگ نارالاسد تھی اور جو شخص اپنے پناہ گزین سے غداری کرتا' اُس سے اظہارِنفرت کے لیے نارالغدر روشن کی جاتی تھی۔ایک اہم آگ نارالتحالف تھی جس پر عرب قسم کھایا کرتے تھے۔عرب کی سب سے قابلِ قدر آگ " نارِضیافت " تھی جسے وہ رات کے وقت بھٹکے ہوئے مہمانوں کے لیے جلایا کرتے اور اِس آگ میں وہ ایک طرح کا عطر بھی شامل کردیتے تھے تا کہ نابینا مہمان اِس کی خوشبو کا تعاقب کرتا ہوا اُن کے گھر تک پہنچ جائے۔حتیٰ کہ بارش کے لئے بھی آگ (نارالاستمطار) روشن کی جاتی تھی۔ جنگ کی آگ کے علاوہ ایک بدلے کی آگ بھی تھی۔ یہ آگ نہ صرف پہاڑ پر جلائی جاتی بلکہ اِس آگ سے دل ودماغ بھی جلتے رہتے۔وہ جب تک دُشمن سے بدلہ نہ لے لیتے خود پر عورت' شراب اور دیگر آسائشوں کو حرام رکھتے۔بالخصوص شراب کو جسے وہ اخلاقِ فاضلہ کے راستے کی رکاوٹ سمجھتے تھے۔(٦)

عدنانی عرب سیاسی طور پر قبائل میں منقسم تھے اور ہر قبیلہ مکمل طور پر آزاد تھا۔یہاں نہ صرف معاشرتی تنظیم کا فقدان تھا بلکہ حکومت نام کی بھی کوئی شئے دکھائی نہ دیتی تھی۔(٧)ابن خلدون کے لفظوں میں اُن پر معاوضے کی محبت اور اُن کے رؤسا کے احترام کی حکومت قائم تھی۔(٨) آزادی پسند عرب کسی دستور یا ضابطے کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔پھر بھی رومیوں اور ایرانیوں نے انہیں اپنے زیرِ اثر لانے کے لئے باجگزار حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ رومیوں نے شام کے قریب غسانی حکومت قائم کی اور شہنشاہ کوسٹینیان نے ۵۲۹ء میں حارث بن جبلہ کو بادشاہ مقرر کیا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جو ممتاز شاعر امراؤالقیس کو لے کر قسطنطنیہ گیا تھا تا کہ اس کے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے سلسلے میں اس کی امداد کی جا سکے۔غسانی حکومت کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں شام کی فتح کے وقت مسلمان ہو گیا تھا۔ دوسری طرف ایرانی شہنشاہوں نے بھی وسیع وعریض صحرا میں آباد عربوں کو کنٹرول کرنے کے لئے کوفہ کے قریب حیرہ کی حکومت قائم کی تھی۔شاہانِ حیرہ کا جدِّ امجد نصر بن ربیعہ تھا۔(٩) اِس حکومت کا پہلا بادشاہ عمرو بن عدی تھا جسے ساپور اول بن اردشیر نے مقرر کیا تھا۔حیرہ

کی حکومت بھی ۶۳۳ء میں مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہوئی۔(۱۰)عربوں کو قابو میں لانے کے لئے قائم کی جانے والی یہ دونوں حکومتیں اپنی تمام تر جد وجہد کے باوجود انہیں کنٹرول کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکیں۔دراصل جنگ سے محبت کے جذبے نے اُنہیں ہر ضابطے اور تنظیم سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ یہاں اجتماعی تمدن کا فقدان تھا اور ہر طرف وحشت و عصبیت کا غلبہ تھا۔یہاں حکومت تھی نہ متحدہ فوج اور نہ ہی کوئی وسیع تر انسانی وسماجی تصور۔یہاں صرف طاقت کا قانون رائج تھا۔قانون پسندی کے لئے کسی تنظیم کے ماتحت ہونا اور شخصیت سے دستبرداری لازمی امر ہے اور یہی وہ بات تھی جو ان عربوں کو قبول نہیں تھی ۔ یہ لوگ صرف ایک حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے اور وہ ان کے سردار کا حکم تھا۔سردار کی بڑی ذمہ داری اپنے قبیلے کے کسی بھی رکن کے قاتل سے بدلہ لینا تھا۔یہاں انسان غائب اور بند سے نمایاں نظر آتے ہیں۔کیونکہ قبیلے کے رکن کے قتل کے بدلے میں دوسرے قبیلے کے کسی بھی فرد کو قتل کیا جا سکتا تھا۔اس کے لئے متاثرہ قبیلے کے قتل کئے گئے فرد کا قاتل ہونا ضروری نہیں تھا۔"خون کے بدلے خون" کسی مرکزی حاکمیت سے عاری علاقے میں سماجی تحفظ کو یقینی بنانے کا واحد ذریعہ رہ جاتا ہے۔قبیلے کے رُکن کے قتل کے جواب میں اگر سردار جوابی کاروائی نہ کرے تو اسے بے غیرت اور قبیلے کے مفادات اور وقار کو نقصان پہنچانے والا تصور کیا جائے گا اور قبیلہ خود کو غیر محفوظ محسوس کرے گا۔چنانچہ فوری انصاف کی ایک صورت قصاص کی شکل میں سامنے آتی ہے جس کا مطلب ہے کہ ایسی صورتِ حال میں مختلف قبائل تشدد اور جنگ کے ایک کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے کا شکار ہو سکتے تھے۔(۱۱) ایسے غیر یقینی ماحول میں کسی بھی فرد کو زندہ رہنے کے لئے سخت جد وجہد کرنا پڑتی تھی ۔عرب کے یہ قبائل صدیوں سے اشیائے ضروریہ کے حصول کے لئے ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے تھے جس کے نتیجے میں شرح اموات خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی ۔ زمانہ جاہلیہ کا عرب معاشرہ " باہمی معاونت " اور "دشمن کے خوف" کی بنیاد پر قائم تھا۔یہ عصبیت' تعصب کی آخری حدوں کو اس طرح چھو رہی تھی کہ عربوں میں ایک مثل مشہور تھی کہ " اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم "نفرت کے شدید احساس نے عربوں کو کبھی ایک قوم نہ بننے دیا البتہ اسلام کی ابتدائی تین صدیوں کے دوران عرب کی مختلف نسلوں کے درمیان لسانی اور ثقافتی وحدت قائم ہوئی اور اس مشترکہ تمدنی ڈھانچے کی تشکیل میں عربی زبان نے اہم کردار ادا کیا۔(۱۲)

قحطانی عربوں کے زیر اثر علاقے (یمن) میں جاگیردارانہ معاشرت فروغ پا رہی تھی جبکہ عدنانی عربوں کے مرکز مکّہ میں رفتہ رفتہ ایک سرمایہ دارانہ نظام اپنی جڑیں مضبوط بنا رہا تھا۔ مکّہ کے بعض قریشیوں کا ذریعہ روزگار تجارت تھا اور چھٹی صدی کے آس پاس کے زمانوں میں انہیں تجارتی کامیابیاں بھی مل تھیں۔ دولت کی بڑھتی ہوئی ریل پیل مکّہ اور گردونواح کے لوگوں کی ذہنیت کو سرمایہ دارانہ سانچے میں ڈھال رہی تھی۔ اب ان کے تجارتی قافلے عراق وشام تک جانے لگے تھے اور کعبے سے تعلق ہونے کے باعث ان کے تجارتی قافلے ہر طرح کی لوٹ مار سے بھی محفوظ تھے۔ مکّہ والوں کے اندازِ حیات میں تبدیلی کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ ایک نیا سرمایہ دارانہ نظام پرانے طرزِ زندگی کی جگہ لے رہا تھا۔ کعبے سے وابستگی اور خوشحالی نے شہری عربوں کو بادیہ نشینی کی سختیوں سے بچا لیا تھا جبکہ بدوی قبیلے نئے سرمایہ داری نظام کے اثرات کے نتیجے میں مٹتی ہوئی اپنی قدیم روایات کو بچانے کے لئے متمدن شہروں سے دور صحراؤں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ اگرچہ اس بادیہ نشینی کا بڑا سبب یہی تھا مگر ان بدوی قبیلوں کے نزدیک اس صحرانوردی کے کچھ اور اسباب بھی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ صحرا میں رہنے سے طبیعتوں میں پاکیزگی آتی ہے، جسم مضبوط، عقل تیز اور نسب خالص رہتا ہے۔ اور سب سے بڑی وجہ بھی شاید جنگ ہی تھی کہ شہروں کی بجائے صحراؤں میں میدان کارزار بہتر طور پر گرم ہوسکتا تھا۔

عربوں کے لئے جنگ اور تحفظِ زندگی کے دو بڑے محرک تھے۔ وہ ان ہتھیاروں سے پیار کرتے جو جنگ میں کام آتے تھے۔ نیزہ، خود، زرہ، ڈھال، تلوار اور تیر کمان نہ صرف ان کے پسندیدہ ہتھیار تھے بلکہ ان کی شاعری کے بھی بنیادی استعارے قرار پائے۔ زمانہ جاہلیہ میں ہتھیار سازی کی سب سے بڑی صنعت یمن میں تھی۔ (۱۳) ہتھیار سے محبت کے ساتھ ساتھ ان کے اکثر کھیلوں کا تعلق بھی جنگ ہی سے تھا۔ مثلاً گھڑ دوڑ، شہ سواری اور نیزہ بازی ان کے پسندیدہ کھیل تھے۔ کھیلوں کے علاوہ ان کی بیشتر اصنافِ سخن بھی جنگی کلچر کو پروموٹ کرتی تھیں۔ (فخر، حماسہ، ثار رجز اور قصیدہ) یا پھر جنگی ثقافت کا نتیجہ تھیں (جیسے مرثیہ)۔ زمانۂ جاہلیہ کے کلچر کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عربوں کے پسندیدہ جانور بھی وہی تھے جو جنگ میں ان کے مددگار ثابت ہوسکتے

تھے۔ جیسے گھوڑا اور اونٹ۔ عرب ان کی شان میں نہ صرف فرمائشی قصائد لکھواتے بلکہ ان نجیب الطرفین گھوڑوں کے شجرے تک محفوظ رکھتے تھے۔ اونٹ ان کی زندگی میں کثیر المقاصد جانور تھا۔ تاوان' دیت' قصاص' حق مہر اور انعامات کی ادائیگی عموماً اونٹوں ہی کے ذریعے کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اونٹ کا گوشت ان کی پسندیدہ غذا تھی۔ اونٹ سے عربوں کی محبت کا یہ حال تھا کہ زمانۂ جاہلیہ کے شعراء قصائد کہتے ہوئے کئی کئی درجن اشعار اپنی اونٹنی کی شان میں کہہ ڈالتے تھے۔ رہا گھوڑا تو یہ عربوں کا سب سے بہترین جنگی ہتھیار تھا۔ عرب گھوڑے کو اپنے خاندان پر ترجیح دیتے' انہیں اپنے حفاظتی قلعے اور ہمیشہ باقی رہنے والے خزانے قرار دیتے۔ ان کی تربیت پر زور دیتے اور گھوڑے کی تعظیم کو اپنی تعظیم کے مترادف سمجھتے۔ جنگ پر جاتے ہوئے گھوڑوں کو آرام دینے کے لئے اونٹوں پر سواری کرتے۔ گھوڑے کی ذات میں غیر معمولی دلچسپی کے نتیجے میں عربوں کو جانوروں کی بیماریوں اور ان کی صفات سے آگاہی ہوتی۔ گھوڑے پر اس غیر معمولی توجہ اور اعتماد نے عربی گھوڑوں کو دنیا کے بہترین گھوڑے ہونے کا اعزاز عطا کیا۔

جنگی معاشرہ ہونے کی وجہ سے قدیم عرب ہر اُس شخص کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے جس کے پاس تلوار اور گھوڑا ہوتا۔ ایسے معاشرے میں عزت اور ناموری کا ایک ہی ذریعہ رہ جاتا ہے اور وہ ہے سرفروشی۔ اس لئے عرب اپنے مشہور شہسواروں کے کارناموں کو نہ صرف یاد رکھتے بلکہ ان کارناموں پر فخر کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔ قدیم عربوں نے جہاں جنگوں میں لازوال کارنامے انجام دینے والے ربیعہ بن مکدم' ملاعب الاسینہ' عامر بن طفیل' معاذ بن حرم خزاعی' بشامہ بن حزن نہشلی' ربیع بن زیاد عبسی' حارث بن ظالم' عتبہ بن حارث' ظریف بن تمیم' عمر بن عدس' فدکی بن المنقری' بسطام بن قیس' عنترہ بن شداد عبسی' زید الخیل' عامر بن طفیل' عمرو بن معدیکرب' درید بن الصمہ' زید الفوارس' امیہ بن حرثان الکنانی' الشنفری الحارثی الخطائی' حرث بن العباد' سعد بن مالک اور عمرو بن کلثوم (ان شہسواروں میں آخری گیارہ اپنے زمانے کے مشہور شاعر بھی تھے اور آخری شاعر عمرو بن کلثوم کا شمار تو "سبعہ معلقات" کے شاعروں میں ہوتا ہے) جیسے مشہور شہسواروں کو ہمیشہ یاد رکھا وہاں انہوں نے

اعوج' اغر' اشقر' روای' زائد' ابیضاء' حزمہ' حرون' جروہ' برخاء' عریاں' خصاف' درہم' بجیر' دعلیج' دباس' عراوہ' کائس' غراف' الکاملہ' مرغوب اور لغامہ نامی گھوڑوں کو بھی اپنے سینوں میں جگہ دی جن کے بغیر مذکورہ شہسواروں کے لئے یادگار کارناموں کو انجام دینا شاید اتنا آسان نہ ہوتا۔

حُسن کو حُسن بنانے میں مرا ہاتھ بھی ہے   آپ مجھ کو نظر انداز نہیں کر سکتے !

زمانۂ جاہلیہ کے عرب صدیوں تک دشمن کے مقابل رہے۔ یہ دشمن کوئی بیرونی فوج نہ تھی بلکہ ان کے لشکر آپس ہی میں گتھم گتھا رہے۔ ان کے جھنڈے مسلسل لہراتے رہے۔ ابو الفرج اصفہانی نے ان جنگوں کی تعداد تیرہ سو بتائی ہے۔(۱۴) جن میں یوم نصف قشادہ' یوم اواب' حرب داحس وغبرا' جنگ بسوس' یوم نجران' یوم الصمد' یوم طخفہ' یوم المروت' یوم ملیحہ' یوم اللوی' یوم الصلیفاء' یوم الھباۃ' یوم الفروق یوم عراعر' یوم شعب: جبلہ' یوم اقرن' یوم زبالہ' یوم حدود' یوم الکلاب' یوم الکلاب ثانی' یوم ذی بیض' یوم عاقل' یوم عین ین' یوم قلہی' یوم مزاحہ' یوم اصنم' یوم نقا الحق' یوم عیار' یوم رحرحان الاول' یوم رحرحان ثانی' یوم ضریہ اور حرب الفجار' جیسی خونریز جنگیں شامل ہیں۔ صاحب عقد الفرید ابن عبدربہ' الصمد بن رشیق القیروانی' ابو الفرج اصفہانی اور علامہ ابن اثیر نے اپنی کتابوں میں نہایت تفصیل سے ان جنگوں کا تذکرہ کیا ہے۔

یہاں یہ اہم ترین سوال اُبھرتا ہے کہ آخر کار تاریخ انسانی کی اس طویل ترین خون ریزی کے اسباب کیا تھے؟ مؤرخین کے مطابق عورت' پانی' چراگاہیں' جوش انتقام' غیرت' نسب پر فخر' نام و نمود کی خواہش' خوراک کی کمی' ذرائع آمدنی کا فقدان' اقتدار کا حصول اور تشبیب' جنگ کی آگ کو بھڑکانے کے بڑے اسباب تھے۔ زمانۂ جاہلیہ کے شعراء صرف بیوی سے تشبیب کرتے تھے اور تشبیب میں غیر عورت کا تذکرہ معیوب سمجھا جاتا تھا مگر امراؤالقیس پہلا شاعر ہے جس نے عرب کی اس قدیم روایت کو نہ صرف توڑا بلکہ اپنی سوتیلی ماں کو بھی تشبیب کا موضوع بنا ڈالا۔ اس کے بعد یہ بدعت چل پڑی مگر عرب غیر عورت کو تشبیب کا موضوع بنانے پر شاعر کے قبیلے پر حملہ کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے کئی ایک جنگوں کا باعث صرف تشبیب کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس قسم کے جنگی کلچر نے انسانی زندگی کو انتہائی غیر محفوظ بنادیا تھا۔ یہاں انسان محفوظ تھا اور نہ ہی اس کا جان و مال۔ سرفروشی خواہ کتنی بڑی قدر سمجھی جاتی ہو پھر بھی انسان مسلسل جنگ وجدل سے تھک جاتا ہے۔ بہادری کی موت مرنا خواہ کتنا بڑا اعزاز ہو لیکن انسان اپنے اہل وعیال کے ساتھ زندہ رہنے کا بھی تمنائی ہوتا ہے۔ چنانچہ قدیم عربوں نے غیر محفوظیت اور بے یقینی کی حالت میں بھی کچھ تحفظ اور بقا کے رستے تلاش کر لئے تھے۔ جنگ سے امان کے تین بڑے ذرائع تھے۔

۱۔ حرام مہینے ۲۔ میلے اور بازار ۳۔ کعبہ بطور رجائے اماں

عرب، زمانہ جاہلیہ حتیٰ کہ اسلام کے آنے کے بعد بھی بعض مہینوں (محرم، رجب، شعبان اور ذی الحج) میں عموماً جنگ نہیں کرتے تھے اور ان مہینوں میں خونریزی کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ جنگ سے بچنے کے لئے عرب مختلف شہروں میں کچھ میلے اور بازار منعقد کرتے تھے۔ ان میلوں میں صحرائی قبائل بڑے جوش وخروش سے شریک ہوتے، یہاں بہادر اپنی شجاعت کے کرتب اور کارنامے دکھاتے، خطبا اور شعرا اپنی علمی کاوشیں پیش کرتے، مشاعرے اور نسب دانی کے مقابلے ہوتے، اس موقع پر پنچ بڑے بڑے تنازعات کے فیصلے کرتے، قیدیوں کی رہائی اور قصاص کی ادائیگیاں عمل میں لائی جاتیں۔ ایک طرف یہ میلے انسانی خیالات کے فروغ کی نشر گاہیں تھیں تو دوسری طرف یہ تجارتی منڈیاں نئی اشیا کی تشہیر کی نمائش گاہیں بھی تھیں

زمانۂ جاہلیہ کے ان میلوں اور بازاروں میں تین میلے عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز سب سے بڑے اور اہم سمجھے جاتے تھے۔ جنگ سے تھکے ہارے قبائل سارا سال ان میلوں کا انتظار کرتے اور بڑے جوش وخروش سے ایک سے دوسرے میلے کی طرف منتقل ہوتے رہتے۔

زمانۂ جاہلیہ میں منعقد ہونے والا سب سے اہم عکاظ میلہ تھا جو یکم ذی قعد سے شروع ہوتا اور پورے بیس روز تک جاری رہتا۔ یہاں پورے عرب سے بڑے بڑے سردار، شہسوار، تجار، شعرا، خطباء، نساب، سوداگر اور پنچ اکٹھے ہوتے۔ حج کے دنوں میں منعقد ہونے کے باعث عکاظ کو عربوں کے قومی میلے کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ میلہ نخلہ اور طائف کے درمیان مکہ سے تین منزل پر ایک بستی میں

لگتا تھا۔ یہ میلہ ۵۴۰ ء سے شروع ہو کر اسلام کی آمد کے بعد تک جاری رہا اور ۱۲۹ھ میں خارجیوں کی لوٹ مار کے نتیجے میں یہ میلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اسی طرح مجنہ کا میلہ مکہ سے کچھ میلوں کے فاصلے پر ایک مضافاتی بستی میں اور ذوالمجاز کا میلہ میدان عرفات کے پیچھے منیٰ کے قریب ایک مقام پر منعقد ہوتا تھا۔ ان بڑے میلوں کے علاوہ دومۃ الجندل' ہجر' حضرموت اور عمان کے مقامی میلے بھی منعقد ہوتے تھے اور سب کا مقصد جنگ سے تھکے ہارے جنگجوؤں کی زندگیوں کے تحفظ' تفریح اور تجارتی سرگرمیوں کے لئے فضا سازگار بنانا تھے۔

رہا کعبہ تو یہ بھی صدیوں سے عربوں کے لئے جائے اماں رہا ہے۔ یہاں انسانوں کے علاوہ جانوروں کے لئے بھی امان تھی اور حرم کے اندر لوگ اپنے باپ اور بیٹے کے قاتل کے حق زندگی کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ عدنانی عربوں کے لئے مکہ ایک مقدس شہر تھا اور حج کا ایک بڑا مقصد بھی عبادت کے ساتھ ساتھ تجارتی اشیا کا فروغ ہی تھا۔ اس لئے سارے عرب کعبے کی حرمت میں یقین رکھتے تھے۔

امن و امان کے حوالے سے قائم کی گئی عربوں کی ان قدیم روایات کا گاہے گاہے مذاق اڑائے جانے کے باوجود صحرائی عرب تجارتی میلوں' حرام مہینوں اور حرم کعبہ کی حرمت میں یقین رکھتے تھے۔

زمانۂ جاہلیہ جس کے تعین میں مختلف مؤرخین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک نقطۂ نظر کے مطابق ماقبل تاریخ سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کا عہد زمانۂ جاہلیہ کہلاتا ہے۔(۱۵) اور دوسری رائے کی رُو سے اسلام کی آمد سے تین سو سال قبل کا زمانہ ہی زمانۂ جاہلیہ ہے۔(۱۶) جبکہ تیسرے نقطۂ نظر کے مطابق ۵۰۰ ء سے ۶۲۲ ء کا زمانہ دراصل دورِ جاہلیہ کہلاتا ہے۔(۱۷) عرب مؤرخین اس عہد کو " ایام العرب " کے نام سے یاد کرتے ہیں۔(۱۸) یہ وہ زمانہ ہے جب جنگ کے ساتھ ساتھ شاعری بھی عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف جنگیں شاعری کو فروغ دے رہی ہیں تو دوسری طرف شاعری جنگوں کو پروموٹ کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ ہر قبیلے کا اپنا شاعر ہوتا جسے قبیلے کی آبرو کا محافظ اور قبیلے کے بہادروں کے جنگی کارناموں کو یادگار بنانے والا سمجھا جاتا۔ وہ قبیلے کے خلاف کہی گئی ہجو کا جواب دیتا۔ عرب' شاعر کے قبیلے پر حملہ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ شاعر اپنے قبیلے کی

اچھائیوں کا خوب چرچا کرتا اور بُرائیوں کو چھپاتا تھا۔ قبیلے میں شاعر کے سامنے آنے پر دیگر قبائل اس قبیلے کو مبارکباد دینے جاتے۔ دعوتیں اور جشن مناتے جاتے اور عورتیں دف بجا کر خوشی کا اظہار کرتیں کیونکہ جو کام آج پورا میڈیا مل کر کرتا ہے وہ کام اکیلا شاعر اپنے قبیلے کے لئے انجام دیتا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے شاعر کی تخلیقی کاوشوں کو سینہ بہ سینہ یاد رکھنا اپنا قبائلی فرض سمجھتا تھا۔ قدیم عربوں کے درمیان ہونے والی ان چھوٹی بڑی لڑائیوں کی اگر کوئی مستند تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے تو اس کا بہترین ماخذ زمانہ جاہلیہ کی یہی شاعری ہوسکتی ہے۔

ایک ایسا زمانہ جب ہر طرف خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی کسی کی زندگی محفوظ تھی نہ مال' جنگ ہی سب سے بڑا لائحہ عمل تھی اور ہر قبیلہ نسل در نسل منتقل ہونے والی نفرت کی گھٹڑیاں سروں پر رکھے موت کی طرف جانے والے راستے پر سرپٹ بھاگا جارہا تھا اور اس خونریزی سے چھٹکارا پانے کی خواہش کے باوجود کسی کے اندر اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ ایسی خواہش کو نوک زبان پر لائے۔ ایسے میں صحرائے عرب کے ایک گوشے سے جنگ کے خلاف پہلی آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز کسی عام انسان کی نہ تھی بلکہ زمانہ جاہلیہ کے ممتاز ترین شاعر زُہیر بن ابی سُلمٰی کی آواز تھی۔ یہ وہی زہیر ہے جسے "سبعہ معلقات" میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ عربی زبان کے وہ سات قصائد ہیں جنہیں عکاظ کے مشہور میلے میں پڑھا اور منتخب کیا گیا اور بعد ازاں سونے کے پانی سے لکھ کر کعبہ کے اندر لٹکایا گیا۔(۱۹)

زُہیر بن ابی سُلمٰی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب قدیم عرب ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے تھے اور صدیوں تک جاری رہنے والی جنگیں اپنے عروج پر تھیں تو ایسے میں زُہیر نے جنگ کے خلاف نعرہ بلند کیا۔ آج کے عہد میں جنگ کی مزاحمت اور امن کی بات کرنا بہت آسان ہے اور امن کے فروغ کے لئے کام کرنے والی درجنوں تنظیمیں اور شخصیات موجود ہیں۔ آج امن کے لئے کام کرنے والوں اور جنگ کی مخالفت کرنے والی تحریروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خود عرب دنیا میں نجیب محفوظ اور محمود درویش سمیت کئی جنگ مخالف اہل قلم پیدا ہو چکے ہیں۔ امن کے لئے کی جانے والی کاوشوں کے لئے نوبل پرائز سمیت دنیا کے بڑے بڑے انعامات موجود ہیں اور دنیا بھر کے ادب میں جنگ کی مزاحمت کرنے والے اہل قلم کی ایک قابل قدر روایت موجود ہے مگر جس زمانے میں زہیر

بن ابی سُلمیٰ نے جنگ کے خلاف آواز بلند کی اُس وقت نہ صرف اس قسم کی کوئی روایت موجود تھی بلکہ جنگ پرست معاشرے میں کوئی شاعر ایسی آواز بلند کرنے کا تصور تک نہ کرسکتا تھا مگر زہیر نے جنگ زدہ معاشرے میں یہ خطرناک کام کرنے کا رسک لیا۔ یہ آواز کسی عام آدمی کی ہوتی تو شاید صدا بہ صحرا ہوجاتی مگر یہ آواز تو اپنے عہد کے معزز ترین شاعر کی آواز تھی۔ اس لئے جنگ کے ستائے ہوئے انسانوں نے اس آواز کو حیرت اور احترام سے سنا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوئے۔ زُہیر کی آواز کی خاص بات یہ تھی کہ جلد ہی خون میں نہائے ہوئے لوگوں کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ ان کے اندر کی آواز ہو۔ لوگوں کو یوں محسوس ہوا جیسے ان میں سے ہر شخص یہ بات کہنا چاہتا ہو مگر کہہ نہ پاتا ہو۔ زُہیر کا کمال یہ ہے کہ اس نے جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کے خلاف آواز اُٹھائی۔ یوں لگتا تھا جیسے لوگ سالوں سے اس آواز کے انتظار میں تھے۔

زُہیر کی اس آواز کی خاص بات یہ تھی کہ یہ عرب کے اُس خاص علاقے سے بلند ہوئی تھی جو پچھلے چالیس برسوں سے جنگ کی بھٹی بنا ہوا تھا۔ نجد میں واقع یہ علاقہ (بنی غطفان) زہیر کا آبائی علاقہ تھا۔ عبس وذبیان کے قبائل کے درمیان جاری داحس وغبرا کی یہ جنگ زمانہ جاہلیہ کی چند بڑی لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اِس جنگ کا پسِ منظر کچھ یوں ہے کہ بنی عبس کے قیس بن زُہیر نے بنی ذبیان کے حذیفہ بن بدر فرازی سے گھڑ دوڑ پر شرط لگائی۔ قیس عبسی نے اپنا گھوڑا داحس جبکہ حذیفہ ذبیانی نے اپنا گھوڑا غبرا میدان میں اُتارا۔ دوڑ شروع ہوئی تو داحس آگے نکل گیا مگر نشان تک پہنچنے سے قبل وہ کسی چیز سے ٹکرا کر گر گیا جس کے نتیجے میں غبرا آگے نکل گیا۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ بنی فرازہ نے راستے میں اڑنگا رکھ دیا تھا جس سے جیتا ہوا گھوڑا (داحس) ہار گیا۔ اس پر ہنگامہ ہوگیا اور دونوں قبائل اپنے اپنے گھوڑوں کی فتح کا دعویٰ کرنے لگے۔ اس ہنگامے سے حرب داحس وغبرا نے جنم لیا جو حرب بسوس کی طرح چالیس سال تک خونریزی کی تاریخ رقم کرتی رہی۔ سبعہ معلقات کے ایک اور شاعر عنترہ بن شداد جن کا اپنا تعلق بھی بنی عبس سے تھا' کے کلام میں اس جنگ (داحس وغبرا) کے آخری مراحل کا حال پڑھنے کو مل جاتا ہے۔

زُہیر بن ابی سُلمیٰ کا اپنا تعلق بھی متاثرہ قبیلے سے تھا۔ وہ کچھ عرصہ تو اِس خونریزی کو چُپ چاپ دیکھتا رہا مگر آخر اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ جنگ صدیوں پر پھیلے انسان کے تہذیبی حاصلات کو مٹانے پر تُلی ہوئی تھی جبکہ زہیر بطور شاعر تہذیب وتمدن کا نمو اتھا۔ وہ بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ ہوتے کب تک دیکھتا۔ بالآخر اُس نے ظلم و بربریت کے خلاف آواز اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ کوئی اور شاعر ہوتا تو شاید لوگ اس کی آواز پر کان نہ دھرتے مگر زہیر کی آواز کو صحرائے عرب میں ایک خاص احترام حاصل تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی شاعری میں علم ودانش' عرفان حق اور فلسفہ وحکمت کی جو باتیں کرتا تھا لوگ انہیں نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ عملی زندگی میں بھی وہ ایک پاکباز و پاکیزہ گفتار انسان تھا۔ زمانہ جاہلیہ کا یہ واحد شاعر ہے جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے ساتھ ساتھ روزِ آخرت میں بھی یقین رکھتا تھا۔ اس کی شاعری لغویات سے پاک تھی۔ اس کے قصائد کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ تاکید لفظی' غیر فصیح الفاظ اور مدح میں جھوٹی تعریف سے پرہیز کرتا تھا۔ وہ اپنے شاعرانہ معیار کا اتنا خیال رکھتا کہ اس کے قصائد سراپا انتخاب ہوتے تھے۔ اسے اپنے عہد کے شاعروں پر ایک ایسا تفوق حاصل تھا جو کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں تھا۔ یعنی اُس کی پرورش ایک ایسے خانوادے میں ہوئی تھی جو سارے کا سارا شاعروں پر مشتمل تھا۔ اس کا سوتیلا باپ (اوس بن حجر جو اپنے زمانے میں قبیلہ مُضر کا شاعر تھا) دو بہنیں (خنساء اور سلمیٰ) اور بیٹے بجیر اور کعب دونوں شاعر تھے۔ اس کی بہن خنساء تو عربی مرثیے کی بلند پایہ شاعرہ ہے جبکہ کعب اور بجیر دونوں شاعر تھے اور اپنی پھوپھی کی طرح مسلمان بھی ہوئے۔ کعب بن زہیر کو تو پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں اپنا مشہور قصیدہ (بانت سُعاد) پیش کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا جسے عربی کے لامیہ قصائد میں بلند درجہ حاصل ہے اور اس کی مدح سرائی کے صلے میں حضورؐ نے کعب بن زُہیر کو اپنی چادر عطا کی تھی۔

زُہیر بن ابی سلمیٰ کے کلام میں علم وحکمت اور انسان دوستی کے جو عناصر ہیں یہ براہِ راست بشامہ بن غدیر کی تربیت کا نتیجہ ہیں جو رشتے میں اس کا ماموں (بعض مؤرخین کے نزدیک خالو) تھا اور اپنے عہد کا سب سے بڑا شاعر اور دانا تھا۔ صحرائے عرب میں اس کی ذہانت وامارت کا دور دور تک شہرہ

تھا اور اس کی عزت ورسوخ کا یہ عالم تھا کہ بنی غطفان سب سے پہلے مالِ غنیمت سے اسی کا حصہ الگ کیا کرتے تھے۔ زہیر نہ صرف براہِ راست اس کی تربیت میں رہا بلکہ اس کی شاعری میں اعلیٰ انسانی قدار، انسان دوستی اور اخلاق فاضلہ کے جو مظاہر ہیں وہ براہِ راست بشامہ بن غدیر ہی کی خوشہ نشینی کا نتیجہ ہیں۔ زُہیر نے سال ہا سال کے جنگ کے شکار قبیلوں کو جنگ کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں سے ڈرایا:

☆ جنگ کا نتیجہ تم کو معلوم ہو گیا اور اس کا مزا تم نے چکھ لیا
اور یہ جو کچھ بھی جنگ کے متعلق کیا جا رہا ہے یہ محض باتیں نہیں ہیں۔

☆ جب بھی تم جنگ چھیڑو گے اس کے نتائج بُرے ہی پاؤ گے
اور جب تم جنگ کو کسی کے پیچھے لپکاؤ گے تو وہ اس کا پیچھا کرے گی۔
پھر یہ آگ بھڑکتی ہی چلی جائے گی اور وہ تم کو اس طرح پیس دے گی
جیسے چکی دانوں کو پیس دیتی ہے۔

☆ وہ سال میں دو مرتبہ حاملہ ہوگی اور جب جنے گی تو ایک جھولی میں دو دو بچے دے گی
پھر وہ تمہارے لئے اس قدر مصائب ومشکلات پیدا کرے گی
کہ عراق کے علاقہ میں اتنا غلہ اور دولت بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

زُہیر بن ابی سلمیٰ نے جنگ کی تباہ کاریوں کا ذکر کچھ ایسے موثر پیرائے میں کیا کہ بنی مُرہ کے دو سردار ہرم بن سنان اور حارث بن عوف جنگ کے خلاف فیصلہ کُن کردار ادا کرنے کے لئے میدان عمل میں آگئے۔ اِن دونوں سرداروں کے دلوں کو گرمانے کا محرک زہیر کی شاعری ہی بنی تھی۔ چنانچہ زہیر کے اشعار نے دونوں سرداروں کے دلوں میں یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کے لئے رحم کے جذبات پیدا کر دیے اور دونوں نے جنگی صورتِ حال کا شکار دونوں قبیلوں (بنی عبس اور بنی ذبیان) کے سرکردہ لوگوں سے مل کر جنگ کو ختم کرانے کی کوششوں کا آغاز کیا۔ دونوں قبیلے خوں بہا کی ادائیگی کی شرط پر جنگ روکنے کے لئے تیار ہو گئے مگر اصل سوال یہ تھا کہ چالیس سالہ جنگ کے دوران سینکڑوں افراد کے قتل کا خوں بہا کون ادا کرے؟ چنانچہ ہرم بن سنان اور حارث بن عوف نے اس نازک موڑ پر پسپائی

اختیار نہیں کی بلکہ خطے کے لوگوں کے وسیع تر مفاد، جنگ کی تباہ کاریوں کے مستقل خاتمے اور موت کے دھڑکے کے ساتھ زندہ لوگوں کو ایک پُر امن زندگی کا راستہ دکھانے کے لئے خوں بہا کے تین ہزار اونٹ اپنی طرف سے ادا کر کے امن پسندی اور انسان دوستی کی ایک عظیم الشان روایت قائم کی، جس کی مثال تاریخِ عالم میں کم کم دکھائی دیتی ہے۔ بنی مُرہ کے ان دونوں سرداروں کی اس ایثار وقربانی کا زہیر کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ اُس نے ان ایثار پیشہ سرداروں کی شان میں ایک تاریخی قصیدہ لکھا اور بعد ازاں اُسے عکاظ کے میلے میں پڑھا۔ اِس قصیدے میں زُہیر نے نہ صرف عبس و ذبیان کے لوگوں کو آئندہ امن وصلح سے رہنے کی تلقین کی بلکہ دونوں سرداروں کی امن دوستی اور ایثار پسندی کی بھی کھل کر تعریف کی۔ اِس یادگار قصیدے کے کل ۵۹ اشعار ہیں۔ پندرہ اشعار کے بعد زُہیر ان سرداروں کی مدح کچھ ایسے دلنشیں انداز میں کرتا ہے کہ بات سننے والوں کے دلوں میں اُتر جاتی ہے:

☆ میں خانہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے مصیبت اور راحت دونوں حالتوں میں تم دونوں کو اچھا سردار پایا۔

☆ تم دونوں سرداروں نے قبائلِ عبس وذبیان کو باہم کٹ کر مرنے کے بعد اور عطر منشم پر عہد کرنے کے بعد بچا لیا۔ یہ تمہارا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

جنگ بندی کی کوششوں اور صُلح میں کامیابی کے بعد عرب قبائل میں ان دونوں سرداروں کو جو عزت وتکریم ملی، زُہیر اس امتیاز کا ذکر بطورِ خاص کرتا ہے۔

☆ تم دونوں اب معد بن عدنان کے خاندان میں ہونے والے
بڑے بڑے ناموروں میں ممتاز ہو گئے ہو
خدا تم کو نیک راہ پر ثابت قدم رکھے

☆ جو شخص اپنے اجداد کی عزت وشرف کو باقی رکھے
اور لوگوں کو نیک راستہ دکھائے وہ صاحبِ عظمت ہو جاتا ہے۔

زُہیر خوں بہا کے بدلے میں دیئے جانے والے اونٹوں کا تذکرہ بطورِ خاص کرتا ہے۔

☆ اور اب لڑائی کے بعد اس کے نقصان کی تلافی کرنے کے لئے تاوان جنگ کے طور پر
وہ شخص اونٹ دے رہا ہے جو بے خطا تھا' جس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

☆ اب ایک بے خطا قوم دوسری قوم کو تاوان میں
قسط وار اونٹ دے رہی ہے' حالانکہ اس بے خطا قوم نے
تاوان لینے والوں میں سے کسی کا خون بھی نہیں بہایا تھا
اور یہ تاوان وہ صرف امن اور صُلح کے لئے دے رہے ہیں۔

اس معلّقہ میں پہلے تو شاعر عبس وذبیان کے قبائل کو جنگ سے ڈراتا ہے مگر ۲۹ سے ۳۲ تک کے اشعار کا مخاطب پوری عرب دنیا ہے۔ اب وہ جنگ کا ایندھن بننے والی پوری عرب قوم کو جنگ سے باز رہنے کی نصیحت کرتا ہے۔

☆ جب تم جنگ کی آگ بھڑکاؤ گے تو وہ اچھی طرح بھڑک اُٹھے گی
اور ایک سویا ہوا فتنہ بیدار ہو جائے گا
لیکن یہ اچھا نہ ہوگا' اگر تم اس کو حرص دلاؤ گے
تو اس کی حرص اور بڑھ جائے گی۔

زُہیر نے "سبعہ معلّقات" میں شامل اس معلّقہ کے علاوہ بھی ہرم بن سنان کی شان میں کئی قصائد تخلیق کئے اور جی بھر کر اس کی مدح سرائی کی۔ دراصل زہیر جنگ پرست معاشرے میں صلح و امن کے لئے قربانی دینے والے سردار کی تعریف کر کے امن وسلامتی کے لئے فضا سازگار بنانا چاہتا تھا۔ اس کی تمنا تھی کہ دوسرے لوگوں کو بھی امن کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں بلکہ سب لوگوں کو امن کے ڈوبتے ہوئے جزیرے پر اپنے حصے کی مٹی ڈالنی چاہئے۔ ادھر ہرم بن سنان کو بھی زہیر سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ زہیر جب بھی اس کی تعریف کرے گا' اُسے سلام یا سوال کرے گا' وہ جواباً اپنے پسندیدہ شاعر کو غلام' کنیز یا گھوڑا ضرور دے گا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہرم نے زُہیر کو اتنا نوازا کہ اس کی داد و دہش کے پیشِ نظر وہ خود کو اتنا زیرِ بار محسوس کرنے لگا کہ جب وہ کسی محفل میں ہرم کو دیکھتا

تو یوں سلام کرتا' "تم سب کی صبح بخیر ہو سوائے ہرم کے اور تم میں سب سے بہترین آدمی کو میں نے مستثنیٰ قرار دیا ہے"۔

زُہیر نے ایک جنگ پرست معاشرے کو امن و سلامتی کا خواب عطا کیا' وہ صحرائے عرب جہاں صرف نخلِ جنگ ہی جڑ پکڑتا تھا' زہیر نے وہاں امن و محبت کے پھول بوئے' اُس نے اس وقت امن کی بات کی جب لوگوں کے پاس جنگ کے علاوہ کوئی دوسرا لائحہ عمل نہیں تھا۔ اس نے نسل در نسل نفرت کے شکار انسان کو محبت سے جینا سکھایا۔ اس نے عربی کی شعری روایت میں جنگ کو پروموٹ کرنے کی بجائے شاعری سے جنگ کو روکنے کا کام لیا اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے لوگوں کو امن اور بھائی چارے کا پیغام دیا۔ زہیر نے امن پسندی کی ایک ایسی روشن روایت قائم کی جو آنے والے شاعروں کے لئے درخشاں مثال بن گئی' اُس نے تلوار کی زبان سے بات کرنے والوں کو مکالمے کی راہ دکھائی اور یوں صدیوں سے خونریزی کرنے والوں کو امن کا تحفہ دیا۔ امن جو انسانیت کا مستقبل اور بچوں کی آکسیجن ہے۔ ایک طرف زہیر عربی زبان کے ان سات لازوال شاعروں میں شامل ہے جن کے قصائد سونے کے قلم سے لکھ کر کعبہ میں آویزاں کئے گئے مگر دوسری طرف وہ زمانۂ جاہلیہ کا عربی زبان کا وہ پہلا اور واحد شاعر ہے جس نے ایک جنگ پرست معاشرے میں سب سے پہلے ایک خوشحال' قابلِ رہائش' مستحکم اور پُرامن دنیا کا خواب دیکھا اور یہ اس کی شاعری کا وہ پہلو ہے جو اسے آج کے دور میں بھی قابلِ مطالعہ بنادیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے و حواشی

(۱) تاریخِ اسلام' امیر علی ' ص ۸' الفیصل پبلشرز' لاہور' ۲۰۰۹ء

(۲) تاریخِ عربی ادب' ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی' ص ۵۴' پرنٹ لائن پبلشرز' لاہور' ۱۹۹۹ء

(۳) اخوان الصفا' مترجم اکرام علی' ص ۶' دارالشعور پبلشرز' لاہور' ۲۰۰۵ء

(۴) قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ' آغا افتخار حسین' ص ۱۳۹' مجلسِ ترقی ادب' لاہور' ۱۹۹۹ء

۵۔ بلوغ الارب جلد دوم، ص ۱۱، محمود شکری آلوسی (مترجم پیر محمد حسن) مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء

۶۔ بلوغ الادب جلد دوم، ص ۴۰۹،

۷۔ قدیم تہذیبیں اور مذاہب، پروفیسر عمر زبیری، ص ۲۶۳، دار الشعور پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۹ء

۸۔ ابن خلدون، ص ۹۶ دار الشعور، لاہور، ۲۰۰۶ء

۹۔ تاریخ ادبِ عربی، استاذ احمد حسن زیات (مترجم عبدالرحمٰن طاہر سورتی) ص ۵۲، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۱۰۔ مسلمان شاہی خاندان، لین پول، ص ۱۵، جدت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۱۔ خدا کی تاریخ، کیرن آرام سٹرانگ (مترجم یاسر جواد) ص ۱۲۴، نگارشات، لاہور، ۲۰۰۷ء

۱۲۔ مغربی ایشیاء کے مسلمان، عماد الحسن آزاد فاروقی، ص ۹، گوتم پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۴ء

۱۳۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ص ۵۴۸، دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۴۔ بلوغ الارب جلد دوم، ص ۴۰۸

۱۵۔ طبقاتِ ابن سعد، محمد ابن سعد، ص ۴۵

۱۶۔ بلوغ الارب جلد چہارم، ص ۲۴۴

۱۷۔ عربی زبان و ادب سے متعلق بلند پایہ مقالات، استاد فضل الٰہی ملک، ص ۴۰، ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۵ء

۱۸۔ عربی ادب میں مطالعے، محمد کاظم، ص ۴۵، سنگِ میل، لاہور، ۱۹۹۰ء

۱۹۔ سبعہ معلقات، امیر حسن نورانی، ص ۵۸، پرنٹ لائن پبلیشرز، لاہور